ڈاکٹر اسلم فرخی کی خاکہ نگاری

محمد اظہر ملک پی ایچ ڈی اسکالر، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
نگلیل حسین اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ ملٹ کالج ملتان
ڈاکٹر حماد رسول استاد شعبہ اردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

ABSTRACT:

In Urdu literature, Dr. Aslam Farkhi is a unique writer due to his creative aspects. As a sketcher, he wrote down the culture and values associated with the personalities he wrote about. All these personalities feel like history and civilization. They were part of not only highlighting the strengths of the characters but also describing the weaknesses in such a way that those weaknesses feel part of their mood. These sketches by Aslam Farkhi are a valuable addition to Urdu literature, enabling the reader to access the literary history associated with these figures.

Key Words: Urdu Literature, Sketching, Personalities, Civilization and Culture.

کلیدی الفاظ:

اُردو ادب، خاکہ نگاری، شخصیات، تہذیب و ثقافت

خاکہ ایک ایسی صنف ادب ہے جس میں کسی ایسے فرد یا شخص کے خدوخال پیش کیے جاتے ہیں اور اس کی شخصیت کے نقوش اس طرح ابھارے جاتے ہیں کہ وہ شخصیت ایک چلتی پھرتی تصویر کی صورت میں قاری کے سامنے آجاتی ہے۔ خاکہ نگار اس وقت ایسی قلمی تصویر بنا سکتا ہے جب وہ اس شخص سے خلوت اور جلوت میں ملا ہوا، اس کی عادات و خصائل سے واقف ہو اس کی سوچ و فکر تک رسائی رکھتا ہو، اس کی عظمتوں اور لغزشوں سے واقف ہو، اس کے کردار کے مخفی گوشوں تک کو دیکھ سکتا ہو، وہ اس شخص کے اوصاف کچھ اس طرح بیان کرتا ہے کہ وہ شخص ایک کردار کی حیثیت سے قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ اس کردار کی ایسی خصوصیات بھی سامنے آجاتی ہیں جو اسے دوسرے افراد سے منفرد ممتاز بناتی ہیں۔ خاکہ نگاری میں قوت مشاہدہ، ماضی کے واقعات کو منفرد انداز سے پیش کرنے کا سلیقہ اور خوب صورت پیش کش کا فن

بروئے کار لایا جاتا ہے۔ خاکہ نگار جس شخص کے خاکہ تخلیق کر رہا ہوتا ہے اس کے بارے میں مکمل آگاہی رکھتا ہو، وہ اس شخصیت کی خوبیوں اور خامیوں سے یکساں انداز میں پردہ اٹھائے، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

"خاکہ وہ تحریر یا مضمون ہے جو کسی شخصیت کا بھرپور تاثر پیش کرے، اسے کسی شخص کی قلمی تصویر بھی کہہ سکتے ہیں ایک اچھے خاکہ میں ہم کسی شخص کے بنیادی مزاج اس کی افتاد طبع انداز فکر و عمل اور اس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے روشناس ہوتے ہیں۔ اختصار جامعیت خاکہ نگاری کا بنیادی وصف ہے، خاکہ میں شخصیت کی تفصیلی حالت و واقعات یا اس کے کارناموں اور فتوحات کا ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ کسی واقع کے مختصر تذکرے سے شخصیت کا کوئی خاص پہلو، قارئین کے سامنے لایا جاتا ہے۔ خاکہ میں ہم کسی شخص کی شخصی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کی کمزوریوں سے بھی واقف ہوتے ہیں"۔ (۱)

اردو خاکہ نگاری میں پہلی باقاعدہ کتاب مولوی عبدالحق کی "چند ہم عصر" ہے۔ اس میں مولوی عبدالحق نے چوبیس مختلف شخصیات کے خاکے قلمبند کیے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی۔ انہوں نے خاکہ لکھتے ہوئے شخصیات کے محاسن و معائب کو بیان کرنے میں دوستی، تعلقات، شخصیات کی عظمت و شہرت کی پرواہ نہیں کی۔ ان کے خاکے غیر جانبداری اور ہمدردی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ وہ خاکے کے کینوس پر نہیں آتے لیکن ان کے اسلوب بیان میں جذبات و احساس کی جھلک نظر آتی ہے۔

رشید احمد صدیقی نے بھی خاکہ نگاری میں نام پیدا کیا۔ گنج ہائے گراں مایہ اور ہم نفسان رفتہ ان کے خاکوں کے مجموعے ہیں۔ انہوں نے مولانا سلیمان اشرف، مولانا ذاکر اور ایوب عباسی جیسے شاہکار خاکے لکھے ہیں۔ ان کے خاکوں میں شخصیت کی ایسی قلمی تصویر ملتی ہے کہ شخصیت ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ ان کے اسلوب میں شعر کی سی لطافت اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ یہ وہ خاکہ نگار ہیں جنہوں نے اردو کے قارئین کو اس ضمن کی دلکشی کا احساس دلایا۔

رشید احمد صدیقی کے بعد فن خاکہ نگاری کا سفر بڑے زور و شور سے جاری ہوا۔ عصمت چغتائی نے اپنے بھائی عظیم بیگ چغتائی کا خاکہ "دورِ خمی" کے عنوان سے لکھا۔ یہ خاکہ اردو ادب میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے۔ اس میں عصمت چغتائی نے اپنے خیالات و تاثرات کا بڑی بے باکی سے اظہار کیا۔ اس خاکے کا انداز بیان چبھتا ہوا اور زاویہ نظر انوکھا ہے۔ اس

میں خاکے کا فن اپنی سرحدوں کو چھوٹا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ سعادت حسن منٹو نے گنجے فرشتے، لاڈا اسپیکر اور فلمی شخصیتیں وغیرہ کے عنوان سے خاکوں کے بہترین مجموعے تخلیق کیے۔ منٹو نے اسلوب اور تکنیک کے اعتبار سے خاکہ نگاری کو عروج بخشا، شخصیات کے خوب صورت مرقع پیش کیے ہیں۔ انھوں نے ادبی، فلمی اور سیاسی شخصیات کو موضوع بنایا اور اپنے اسلوب بیان کے تیزابی فقروں سے کام لیا۔ یوں سعادت حسن منٹو فن خاکہ نگاری میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

منٹو کے بعد شاہد احمد دہلوی نے خاکہ نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا ان کے خاکوں کے مجموعے "گنجینہ گوہر" اور "بزم خوش نفسانِ رفتہ" نے اپنے سنگتہ اسلوب، چہرہ نویسی، شخصیت کی تصویر کشی، واقعہ نگاری، منظر کشی، غیر جانب داری اور وحدتِ تاثر نے بڑی شہریت حاصل کی۔ اس لیے ان کے خاکے اردو ادب میں ہمیشہ تابندہ و زندہ ہیں۔ محمد طفیل نے جنوری ۱۹۵۵ء میں نقوش کا شخصیات نمبر نکالا اور اس میں ۸۲ بلند پایہ ادبا کے خاکے شائع کیے۔ وہ خود بھی باکمال خاکہ نگار تھے۔ انھوں نے خاکہ نگاری کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے آٹھ مجموعے جن میں، صاحب، جناب، آپ، محترم، مکرم، معظم، محبی اور مخدوم شامل ہیں ان خاکہ نگاروں کے علاوہ شوکت تھانوی نے شیش محل اور قاعدہ بے قاعدہ کے عنوان سے خاکوں کے مجموعے تخلیق کیے۔

عبدالحمید سالک نے "یارانِ کہن"، اشرف صبوحی نے "دلی کی چند عجیب ہستیاں"، ضیاء الدین احمد برنی نے عظمتِ رفتہ، سید ضمیر جعفری نے کتابی چہرے، چراغ حسن حسرت نے "مردم دیدہ"، فارغ بخاری نے الہم اور دوسرا الہم، مرزا ادیب نے ناخن کا قرض، عطاء الحق قاسمی نے عطایے، ڈاکٹر آفتاب احمد نے بیادِ صحبتِ نازک خیالوں، نیز مسعود نے ادبستان، خالد حسن نے مقابل ہے آئینہ، مظفر علی سید نے "یادوں کی سرگم" اور ڈاکٹر انوار احمد نے "یادگار زمانہ ہیں جو لوگ" لکھ کر فن خاکہ کی نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ان کے علاوہ ممتاز منفی، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، عبدالرزاق کانیپوری، ڈاکٹر عبارت بریلوی، احمد ندیم قاسمی اور وزیر آغانے بھی خاکہ نگاری میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے۔

فن خاکہ نگاری کی روایت کا ایک روشن ستارہ ڈاکٹر اسلم فرخی ہیں۔ ان کے سات خاکوں کے مجموعے شائع ہوئے اور اردو ادب میں خاکہ نگاری کی صنف کو ثروت مند بنایا۔ "گل دستہ احباب" ان کے خاکوں کا پہلا مجموعہ ہے جو ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ اس میں سترہ نامور ادبی شخصیات کے خاکے شامل ہیں۔ "آنگن میں ستارے" ان کے خاکوں کا دوسرا مجموعہ ہے۔ جو جنوری ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔ اس میں بھی سترہ خاکے ہیں۔ ان کے خاکوں کا تیسرا مجموعہ ۲۰۰۵ء میں "لال سبز

کبوتروں کی چھتری" کے عنوان سے منظر عام پر آیا جس میں نو (۹) خاکے شامل ہیں۔ "موسم بہار جیسے لوگ" کے عنوان سے ان کے خاکوں کا چوتھا مجموعہ ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں چودہ (۱۴) خاکے شامل ہیں۔ سات کلاسیکی شعراء کا ادبی خاکے "سات آسمان" کے عنوان سے ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئے۔ یہ ان کا پانچواں خاکوں کا مجموعہ ہے۔ ان کا چھٹا اور آخری خاکوں کا مجموعہ "رونتی بزم جہاں" کے نام سے ۲۰۱۴ء میں منظر عام پر آیا۔ اس میں دس (۱۰) خاکے شامل ہیں۔ مجموعی طور پر انھوں نے چھ خاکوں کے مجموعوں میں چوہتر (۷۴) ادبی خاکے تحریر کیے۔ جو اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان کے یہ خاکے وہ مختلف اوقات میں اور مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ ان میں سے بعض خاکے وہ ہیں جو ممدوحین کی وفات کے بعد ان کی کمی محسوس کرنے پر لکھے گئے۔ بعض خاکے وہ ہیں جو ممدوحین کی حیات میں لکھے اور پڑھے گئے۔ انسان نہ تو فرشتہ صفت ہے اور نہ ہی شیطانی اوصاف کا ڈھیر۔ اس میں اچھائیاں اور بُرائیاں موجود ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی کے مطابق اچھا انسان وہ ہے جس میں اچھائیوں کا پلہ برائیوں کے مقابلے میں بھاری ہو۔ وہ اپنے خاکہ نگاری کا مقصد یوں بیان کرتے ہیں:

"اچھائیوں کو اُجاگر کرنا اور ان کے اظہار سے انسانیت کے روشن مستقبل کے امکانات

کو واضح کرنا میری خاکہ نگاری کا بنیادی مقصد ہے"۔ (۲)

خاکہ میں خاکہ نگار ممدوح کا حلیہ بیان کرتا ہے۔ حلیہ بیان کرتے ہوئے ایسے الفاظ انتخاب کیا جاتا ہے جس سے ممدوح کی شخصیت پوری تصویر کشی ہو جاتی ہے۔ حلیہ نگاری ایک باقاعدہ فن ہے۔ ڈاکٹر اسلم فرخی کو اس فن میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں، وہ خاکوں میں شخصیت کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتے ہیں کہ الفاظ کے ذریعے شخصیت کی مصوری کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر مصطفیٰ خان جو ان کے دوستوں میں سے تھے کے انکسار اور تالیفِ قلب کی یہ کیفیت تھی کہ اپنی ذات سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی، انھیں دوسروں کو فائدہ اور بھلا پہنچانے میں راحت ملتی تھی، اور اگر ان کے حوالے سے کسی کا بھلا ہو جائے تو وہ اس پر بھی شکرِ خدا بجالاتے۔ ان کے علم کے سمندر کے آگے کوئی ٹھہرنے کی مجال نہیں کر سکتا تھا، وہ خوب صورت ہونے کے ساتھ، خوب، سیرت بھی تھے۔ ان کی شہرت کا چرچا دور دور تک پھیلا ہوا تھا لیکن خود درویش صفت تھے۔ ڈاکٹر اسلم فرخی ان کے خاکے میں لکھتے ہیں:

"لمبا قد لیکن بر بنائے انکسار خم، دُہر ابدن کہ طلبِ علم و ریاضت میں خستگی سے محفوظ

رہے۔ گول چہرہ دائرہ شریعت کی حدود کا ترجمان، آنکھوں میں شرم و حیا اور معرفت

کی قندیلیں روشن "سیماہم فی وجوہ من اثر السجود" رعونت کی سرکوبی کے لیے ترکی
ٹوپی سے مزین سر پر خلق کے آثار، معمولی سوتی شیر وانی، علی گڑھ کٹ کا پاجامہ، پاؤں
میں سادہ سی گرگابی"۔ (۳)

شاہد احمد دہلوی کا خاکہ "زندہ انسان" کے عنوان سے ڈاکٹر اسلم فرخی نے تحریر کیا ہے۔ شاہد احمد دہلوی، مولوی
بشیر الدین احمد کے بیٹے اور ڈپٹی نذیر احمد کے پوتے ہیں۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ مشہور ادبی رسالے "ساتی" کے مدیر تھے۔
خاکہ نگاری میں نام کمایا۔ گنجینہ گوہر کے نام سے ان کا شاندار اور منفرد خاکوں کا مجموعہ اردو ادب میں گراں قدر اہمیت کا حامل
ہے، ان کے دادا ڈپٹی نذیر احمد اردو کے بہت بڑے ناول نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، ادب کی دنیا میں وہ کسی تعارف
کے محتاج نہیں ہیں۔ پورا خاندان ادب کے میدان میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ شاہد احمد دہلوی اسی خاندان کے چشم و چراغ
ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد وہ لاہور اور پھر لاہور سے کراچی شفٹ ہو گئے۔ کراچی میں ہی انھوں نے اپنا مشہور ادبی رسالہ
"ساتی" جاری رکھا۔ جس نے ادب کے ہر میدان میں اپنی انفرادیت کا لوہا منوایا۔ شاہد احمد دہلوی ملنسار اور خوش مزاج
تھے۔ وہ دوستوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ان کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتے تھے۔ انسان دوست تھے۔ دوستوں کی ہر مشکل
گھڑی میں مدد کرتے تھے۔ دفتر ہو یا گھر دوستوں کی خوب محفل جمی رہتی۔ عزت و احترام دینے کا فن انھیں ہی کو آتا
تھا۔ دوستوں سے دور رہنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ دلی میں ان کے بے شمار دوست تھے۔ وہ تقسیم کے بعد پاکستان آگئے تو
انھیں دوستوں کی یاد ساتی تھی۔ ڈاکٹر اسلم فرخی لکھتے ہیں:

"شاہد بھائی کے قریب ہونے سے مجھے بارہا یہ اندازہ ہوا کہ وہ اپنی شگفتہ مزاجی، فقرے
بازی اور برجستہ گوئی کے باوجود اندر سے اداس آدمی ہیں۔ یہ اندازہ ان کی وفات کے
بعد ہوا کہ وہ دل شکستہ انسان تھے۔ تاہم انھوں نے جیوں بہ جیوں سے غم پنہاں کو کبھی
ظاہر نہیں ہونے دیا۔ انھیں سب سے بڑا غم اپنے دہلوی دوستوں کی دوری
کا تھا"۔ (۴)

ڈاکٹر اسلم فرخی نے "صاحبِ فہم و ذکا" کے عنوان سے ڈاکٹر فہیم اعظمی کا خاکہ تحریر کیا ہے۔ وہ اردو کے جدید نقاد
تھے، وہ نئے ذہن کے روشن خیال اور جدید اندازِ فکر کے حامل تھے، انھوں نے جدید لسانی تشکیلات کے فلسفیانہ اسلوب،
ادب، ادیب اور قاری کے نئے رشتے اور ساختہیات کا گہرا مطالعہ کیا تھا، انھوں نے مشہور رسالہ "صریر" جاری کیا۔ ادبی

تنقید، فنی نکات، جدیدیت، مابعد جدیدیت، اور ساختیات کے مباحث صریر کا طرہ ایبتاز بن گئی تھیں، اس میں شائع ہونے والے مضامین ڈاکٹر صاحب خود پڑھتے، جہاں مضمون نگار سے اختلاف ہوتا تو حاشیے میں اپنے اختلافی نوٹ درج کرتے۔ اس طرح قاری مضمون نگار اور مدیر دونوں کے خیالات سے آگاہ ہو جاتا۔ ان کی شخصیت سے پردہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر اسلم فرخی لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب اپنے اصولوں اور خیالات میں بہت پختہ تھے۔ کھری بات کہنے میں بے باک تھے۔ انھوں نے بہت سے مفروضوں کی نفی کی۔ بہت سے بت پاش پاش کیے۔ ان کا اندازِ نظر دوسروں سے مختلف تھا۔ وہ نہ جھوٹی شہرت سے متاثر ہوتے تھے اور نہ کسی کی بے جا تعریف کرتے تھے۔ ان کی اصول پسندی اور حرفِ حق کہنے کی روش سے بعض لوگ انھیں پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے اس روش پر چلنے والوں کو ہمیشہ نظر انداز کیا۔ ان کا مسلک حق جوئی تھا۔ جو صحیح سمجھتے تھے وہی برملا کہتے تھے۔ زبانِ خلق سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔" (۵)

ڈاکٹر اسلم فرخی نے ۲۲ جنوری ۲۰۰۹ء کو دوہئی میں منعقد ہونے والے جشن میں مشتاق احمد یوسفی کا خاکہ بطور صدارتی خطبے کے پڑھا اور یہ خاکہ "خوشبوئے یوسفی" کے عنوان سے شائع ہوا۔ مشتاق احمد یوسفی ان مزاح نگاروں میں سے ہیں جو کم لکھتے ہیں مگر خوب لکھتے ہیں۔ وہ اپنے لکھے پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہیں۔ ہر ہر لفظ پر خونِ جگر صرف کرتے ہیں، وہ کم آمیز، کم سخن، دوست نواز، احسان شناس اور محبت کرنے اور محبتیں بانٹنے والے انسان تھے۔ اپنی پیشہ وارانہ زندگی میں قاعدے کے قرینے کے پابند تھے۔ وہ متعدی کار گزاری اور محنت و لگن سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے۔ ان کی گفتگو میں دلکشی اور پھلجھڑیاں ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی لکھتے ہیں:

"یوسفی صاحب مضمون پڑھتے ہیں، جادو کرتے ہیں۔ آواز کا زیر و بم، لہجے کی دلکشی، خیالات کی صورت گری، فکر کی برجستگی، شگفتگی کی اچھلتی ڈوبتی پھیلتی موج بے کراں، روح اور قلب کی گہرائیوں میں اتری چلی جا رہی ہے... دُرت کی لے میں یوسفی صاحب کا کمال فن اور انفرادیت یہ ہے کہ وہ اپنے مزاج کو گاہے گاہے حزن سے اس

طرح جوڑ دیتے ہیں کہ کامیڈی، ٹریجڈی بن جاتی ہے یا ٹریجڈی میں کامیڈی کا لطف آجاتا ہے۔ اس جوڑ توڑ میں ان کا کوئی حریف نہیں۔" (۶)

ان کے مجموعے ”سات آسمان“ جو کلاسیکی شعراء کے خاکوں پر مشتمل ہے کا پہلا خاکہ میر تقی میر کا ہے جنہیں اردو دنیا خدائے سخن کے نام سے جانتی ہے۔ میر اچھے شاعر ہی نہیں تھے بلکہ بہت اچھے نثر نگار بھی تھے۔ انھوں نے نثر نگاری کا ایک شاہکار تذکرہ ”نکات الشعرا“ مرتب کیا جو ان کی سخن فہمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ”فیض میر“ اپنے بیٹے فیض علی کے لیے تربیت دی۔ ”ذکر میر“ ان کی خود نوشت ہے جس میں انھوں نے سیاسی و سماجی حالت کے تحت اپنے حالات کا جائزہ لیا۔ یہ کتاب میر کے احوال و آثار تک رسائی کو یقینی بناتی ہے۔

میر نے غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، ہجو سب کچھ لکھا لیکن غزل اور مثنوی سے انھیں خاص مناسبت تھی۔ میر کے دور میں اردو غزل کی روایت پختہ ہو چکی تھی، میر نے اس روایت کو مزید پختہ کیا۔ انھوں نے فارسی کے اثر سے آزاد ہو کر اردو میں عوامی سطح پر گفتگو کی۔ ان کا انداز میٹھا اور دلکش، زبان نرم و ملائم، انداز بیان خوب صورت، ان سب نے میر کے ہاں انفرادیت پیدا کر دی۔ سادگی اور سلاست ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ فکر و تخیل کی رعنائیاں ان کے ہاں پائی جاتی ہیں۔ ان کی غزل دل کو موہ لیتی ہے۔ دل کہ گہرائی میں اترتی چلی جاتی ہے۔ سادہ سے اشعار، عام فہم انداز، انسانی نفسیات کا گہرا ادراک، عشق کی شوریدہ سری، حسن و عشق کا بیان، مطالعہ کائنات میں وسعت نظری، حقائق کے ادراک میں آفاقیات میر کی غزل کے نمایاں خصائص ہیں۔ ان کے اشعار میں جذبات و احساس اور وارداتِ قلب کا جہان موجود ہے۔ وہ دہلوی معاشرے کے سیاسی و سماجی انحطاط کا نقشہ خوب کھینچتے ہیں۔ میر کی فکر میں پھیلاؤ اور وسعت ہے۔ میر نے اپنی شاعری میں خلوص بانٹتے ہیں۔ میر محبت کے بیان میں آگے آگے تھے۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر اسلم فرخی لکھتے ہیں:

"میر نے محبت کی بے زبانی کو زبان عطا کی۔ محبت کا نغمہ ہر شاعر نے چھیڑا ہے لیکن میر کی محبت رسمی اور محدود نہیں۔ یہ ان کے وجود کا بنیادی عنصر ہے۔ ان کے رگ و پے میں رواں دواں ہے۔ محبت میں بے راہ روی نہیں، باغیانہ جوش نہیں، نرمی اور دھیما پن ہے۔ جذبہ تعمیر اور بہترین انسانیت کی تشکیل کا حوصلہ ہے۔ اسی محبت کے وفور نے میر صاحب کو خدائے سخن بنا دیا۔" (۷)

دوسرا خاکہ مرزا رفیع سودا کا ہے۔ ”سودا“ نے غزل، قصیدے، مثنوی، شہر آشوب، مرثیہ اور ہجو میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے۔ ان کا دور سیاسی و سماجی ابتری کا دور تھا۔ ان کی شاعری میں گہرا سماجی شعور دکھائی دیتا ہے۔ مرزا نے اپنے عہد کے پیشہ وروں کے حالات کی ابتری کا نقشہ کھینچا، معاشرتی ناہمواری کو فوراً تنقید کا نشانہ بنایا۔ دلی کے اجڑنے کا دور آیا تو سودا فرخ آباد چلے گئے۔ وہاں کچھ عرصہ شعر و سخن کے چراغ روشن کرتے رہے۔ اس کے بعد فیض آباد میں اپنی شاعری کے کمالات دکھائے۔ پھر لکھنؤ کو رونق بخشی۔

”سات آسمان“ کا تیسرا خاکہ خواجہ میر درد کا ہے۔ خواجہ میر درد کا تعلق شاہ جہاں آباد کے ایک معزز گھرانے سے تھا۔ اُن کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب، درویش انسان تھے۔ سپاہ گری کرتے تھے پھر سب کچھ چھوڑ کر درویشی اور فقیری کی راہ اختیار کر کی۔ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خواجہ میر درد نے بھی درویشی اور فقیری کا راستہ چننا۔ اردو ادب میں ان کا شہرہ ان کی شاعری ہے۔ وہ فارسی اور اردو کے ممتاز شاعر تھے۔ غزل اور رباعی خوب لکھتے تھے۔ شاعری ان کے لیے فن اور پیشے کی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ خواجہ صاحب کو دنیا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ان کے دل پر گزرنے والی کیفیت کے اظہار کے لیے شاعری کا راستہ چننا۔ شاعری ان کی بزرگ شخصیت کا خاصہ تھی۔ خواجہ صاحب کا دیوان مختصر ہے۔ اس میں غزلیں اور رباعیاں ہیں۔ ان کی شاعری جوش و اثر سے مزین ہے۔ خواجہ صاحب صوفی تھے۔ اور تصوف ان کا مسلک۔ ان کی شاعری ایک مربوط فکری نظام کے تابع ہے۔ ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسلم فرخی لکھتے ہیں:

”خواجہ صاحب کی شاعری سچی اور حقیقی شاعری ہے۔ کیفیت و اثر میں ڈوبی ہوئی،

نکھری نکھری عاشقانہ، عارفانہ تھی، اپنے عہد کی شعری روایت سے پوری طرح ہم آہنگ بھی، اس پر خوشگوار اضافہ بھی، زبان میں سلاست، انداز میں مسکینی شکوہ بھی

ہے تو عاجزی اور دردمندی کے ساتھ۔“ (۸)

خواجہ حیدر علی آتش مصحفی کے شاگردوں میں سے تھے۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے ان کا خوب خاکہ تحریر کیا ہے۔ آتش کے والد خواجہ علی بخش درویش مزاج انسان تھے۔ ان کا سایہ کیا سر سے اٹھا مصائب و الم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفی کی شاگردی اختیار کی، اور شعری سفر کا آغاز کیا۔ آتش غزل کے دلدادہ تھے۔ ساری زندگی غزل لکھتے رہے نہ قصیدہ لکھا اور نہ مثنوی انھیں دیگر اصناف سے دلچسپی ہی نہ تھی۔ ان کے دیوان ہیں۔ ان میں صرف غزلیات ہیں۔ آتش نے جس دور میں شاعری شروع کی، اس دور میں مصحفی و انشاء نے طویل غزلوں اور مشکل زمینوں میں شعری پیکر تراشتے نئے طرز

احساس کی شاعری کو فروغ دے چکے تھے۔ ناسخ نے الفاظ کے تلازموں، لفظی صنعتوں، ماحول کی رنگینی اور سراپے کی بارک بینی پر توجہ مرکوز کی، زبان کے اصول و ضوابط مقرر کیے۔ لفظوں کی دھوم دھام بہت تھی لیکن سوزِ سخن کی کمی تھی، آتش نے اپنی منفرد لے سے پیکر تراشی اور سوزِ سخن کے اعلیٰ نمونے تخلیق کیے بڑی مشکل زمینوں میں رواں دواں شاعری کی، وہ سکھ بند شاعری کے قائل نہ تھے، وہ رندی، سرمستی اور جوش کے شاعر تھے، ان کی شاعری تصورِ جمال اور حُسن خیال کی بہترین مثال ہے، انھوں نے اردو شاعری کے روایتی تصورِ عشق کو ذاتی واردت کے حوالے سے مؤثر اور دلکش بنا دیا، وہ سوچنے اور غور و فکر کرنے والے شاعر ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں کسی انجان جہان کی بات نہیں کرتے انسانی اور ذاتی حوالے سے گفتگو کرتے ہیں۔ آتش نے حقیقت و مجاز کو روحانی پہلوؤں، اخلاقی تمثیلوں کے ذریعے معتبر بنایا۔ ان کی پیروی میں جدید دور کے شعرا نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا۔

"سات آسمان" میں ڈاکٹر اسلم فرخی نے "چھٹا آسمان" شیخ امام بخش ناسخ کے عنوان سے خاکہ تحریر کیا۔ ناسخ کو بچپن ہی سے پہلوانی کاشوق تھا خوب ورزش کرتے تھے۔ فیض آباد سے لکھنؤ آئے، تعلیم حاصل کی، شاعری کا شوق ہوا تو میر کے پاس شاگرد ہونے کو گئے لیکن میر نے نظر التفات نہ کی، مصحفی کے پاس گئے انھوں نے اپنے شاگردوں محمد علیسی کے سپرد کیا، لیکن انھوں نے ذوقِ سلیم کو راہ نما بنا لیا اور اصلاح لینے کی بجائے اصلاح دینے کی ذمہ داری سنبھال لی، اصلاحِ زبان کا بیڑہ اٹھالیا، علمی معرکے جاری رہے۔ وہ استاد تھے، کسی کے روبرو نہیں آتے تھے، لیکن علمی بحث و مباحثہ کو جاری رکھتے تھے۔ انھوں نے شاعری میں مرصع کاری کے ذریعے لکھنؤ کی شاعری کے منفرد بستان کی بنیاد رکھی۔ ڈاکٹر اسلم فرخی ان کی بطور شاعر جہت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"شیخ امام بخش ناسخ نے اپنے عہد کے علمی و فوری اور روزمرہ زندگی کے کیف و سرور کو

شعر و شاعری سے ہم آہنگ کیا اور اس طرزِ سخن کی بنیاد ڈالی جو طرزِ لکھنؤ کے نام سے

مشہور خاص و عام ہوا اور خود ناسخ اس کے موجد کہلائے"۔ (۹)

ڈاکٹر اسلم فرخی نے "سات آسمان" میں ادب کے "ساتویں آسمان" کے عنوان سے شیخ محمد ابراہیم ذوق کا ادبی خاکہ تحریر کیا۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق دلی کے رہنے والے تھے۔ ان کے کلام میں برجستگی، روزمرہ کی چستی اور گرمی تھی۔ نوجوانی میں ہی ان کے کلام میں استادانہ پختہ کاری کی جھلک نظر آتی تھی، وہ غزل کے باکمال شاعر تھے، قصیدہ گوئی میں بھی انھیں

ملکہ حاصل تھا۔ مرزا محمد رفیع سودا کے بعد شیخ محمد ابراہیم ذوق نے قصیدہ گوئی کو عروج تک پہنچایا۔ ان کی زندگی ان کی شاعری سے عبارت تھی۔

ڈاکٹر اسلم فرخی نے ذوق کی زندگی کے مختلف واقعات کی مدد سے ان کی شخصیت کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔ ان کی شخصیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"استاد اجلے آدمی تھے، صاف ادھر سے نظر آتا ہے ادھر کا پہلو۔ سفید لباس پہنتے تھے۔ داغ دھبہ گوارا نہیں کرتے تھے۔ تیز تیز چلتے تھے۔ انھوں نے عہد کے رائج رنگہ سخن کو زیادہ برجستہ، زیادہ پُر قوت، زیادہ پرکشش اور زیادہ مقبول بنا دیا۔ وہ اپنے عہد کا مؤثر اظہار اور اپنے معاشرے کے طرز احساس کا سنگھار تھے"۔ (۱۰)

ڈاکٹر اسلم فرخی گوشہ نشین رہنے والے انسان تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے خاکوں کے ذریعے شہر شہر قریہ قریہ محفل نشین کر لیا، وہ کہاں کہاں سے مناظر تلاش کرتے ہیں اور قاری کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے لفظوں کے ذریعے ممدوحین کی تصویر کشی اور مصوری کرتے ہوئے نہ صرف انہیں بیان کرتے ہیں بلکہ احساس کی حد تک ان کی ترجمانی کرتے ہیں، وہ ان کے دکھ درد کے ساتھی بنتے ہیں۔ ان کے کرب کو کاغذ پر بکھیر کے رکھ دیتے ہیں اور خاکہ نگاری کے قلم سے نکلنے والا کرب قاری بھی محسوس کرتا ہے۔ وہ جذبات و احساسات کو خاکے میں خوب صورت الفاظ کے ذریعے ابھارتے ہیں۔ اس ضمن میں شاہد حنائی لکھتے ہیں:-

”ڈاکٹر اسلم فرخی اپنے ممدوح یعنی شخصیت کو دیکھتے پرکھتے ہی نہیں، محسوس بھی کرتے ہیں۔ اس ریاضت کے ساتھ جب وہ خاکہ لکھتے ہیں تو کردار کا دکھ قلم بند نہیں کرتے، اس کا درد روتے ہیں، محرومی کا کرب، طنز کی کاٹ اور بچھتاوے کا احساس تصویر کر دکھاتے ہیں۔ اذیت قلم کے ذریعے ورق پر نقش کیسے ہوتی ہے، جذبات الفاظ میں کیسے دھڑکتے ہیں۔ سانسیں برف کیسے ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے یہ سب کچھ تحریر کی شکل میں سمجھا دیا ہے“۔ (۱۱)

ڈاکٹر اسلم فرخی کے خاکوں میں کردار جیتے جاگتے گوشت پوست کے انسان ہوتے ہیں۔ وہ ان کے خاکے تخلیق کرتے ہوئے زور قلم سے انہیں کوئی، فوق الفطرت انسان نہیں بنا دیتے اور نہ ہی اسے محرومی کا شکار دکھاتے ہیں، وہ کسی کی

بے جا و کالت یا طرف داری نہیں کرتے، وہ کسی کی خوبیاں اور صرف خوبیاں بیان کرنے پر اپنا زور نہیں لگاتے بلکہ اس میں جو بشری کمزوریاں اور خامیاں ہوتی ہیں۔ انہیں بھی نشان زد کرتے ہیں۔ وہ کرداروں کی نفسیات کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ اور انہیں کی فکر کے عین مطابق ان کی تصویر کشی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر اسلم فرخی سنجیدہ ادبی شخصیت تھے اور انہوں نے سنجیدہ ادبی اسلوب اختیار کیا۔ ان کے اسلوب میں سطحیت نہیں ہے۔ ان کا اسلوب باکمال اور انشا پر دازی کا بہترین نمونہ ہے، اس میں شکستگی ہے، انسانی وقار ہے، انسان دوستی ہے، ان کا انداز دلچسپ ہے، اس میں تجسس کا مادہ پایا جاتا ہے۔ اس طرح محدود حین کی جو تصاویر مرتب کرتے ہیں اسے تصور کی آنکھ سے بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ وہ اس تاریخ و تہذیب کا حصہ تھے۔ وہ کرداروں کی صرف خوبیاں کو اجاگر نہیں کرتے بلکہ ان کی کمزوریوں کو بھی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ عیب جوئی کا گمان نہیں ہوتا اور وہ کمزوریاں، ان کے مزاج کا حصہ محسوس ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے خاکہ نگاری کے روایتی انداز کے برعکس شخصی خاکوں میں شخصیت کا تعارف کرانے سے پہلے، بغیر کسی تمہید کے ایک افسانوی کہانی یا کوئی واقعہ تحریر کیا ہے اور اپنے خاکے کا حصہ بنا دیا ہے۔ پھر اسی کہانی یا واقعے سے شخصیت کو برآمد کرتے ہیں۔

ڈاکٹر اسلم فرخی نے اپنے خاکوں میں نہ صرف شخصیات کا تفصیلی تعارف کروایا ہے بلکہ ان کے عادات و خصائل، خوبیوں اور خامیوں کو بھی بیان کیا ہے۔ ان خاکوں میں انہوں نے شخصیات کے ساتھ اپنی ادبی لگاؤ کا بھی برملا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے ان شخصیات کے خاکوں میں ادبی رجحانات اور تحریکوں کے زیر اثر ادب کا بھی جائزہ لیا ہے۔ اس طرح خاکہ نگاری میں ان کی تنقیدی بصیرت بھی سامنے آجاتی ہے۔ ڈاکٹر اسلم فرخی کے خاکے، اردو ادب میں گراں قدر اضافہ ہیں جو قاری کو ان کی شخصیات کے ساتھ وابستہ ادبی تاریخ تک رسائی کو ممکن بنا دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ خاکے اردو ادب کا قیمتی اثاثہ ہیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ رفیع الدین ہاشمی، اصناف ادب، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۷۷
- ۲۔ ڈاکٹر اسلم فرخی، گلستہ احباب، (کراچی: شہر زاد، ۲۰۰۷ء)، ص ۷
- ۳۔ ایضاً، ص ۱۰
- ۴۔ ڈاکٹر اسلم فرخی، آنگن میں ستارے، (کراچی، شہر زاد، ۲۰۰۴ء)، ص ۷۵
- ۵۔ ایضاً، ص ۹۰
- ۶۔ ایضاً، ص ۱۴۳
- ۷۔ ایضاً، ص ۱۷۶
- ۸۔ ایضاً، ص ۲۴۷
- ۹۔ ڈاکٹر اسلم فرخی، سات آسمان، (کراچی، شہر زاد، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۷
- ۱۰۔ ایضاً، ص ۴۷
- ۱۱۔ شاہد حنائی، اردو خاکے کا وقار، ڈاکٹر اسلم فرخی، مضمولہ، قومی زبان، (کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۶ء)،